جناب اختر راہی ۔ بی ۔ اے

اسلامی حکومت کا مالی نظام

ارباب نظر کا اتفاق ہے کہ سیاسی نظام کی کامیابی کا انحصار بڑی حد تک معاشی پالیسی پر ہوتا ہے۔ اگر معاشی پالیسی عدل اجتماعی اور عوامی فلاح و بہبود کے تقاضوں پر استوار ہو تو عوام کی زندگی میں راحت اور خوشحالی کا دور دورہ ہوتا ہے اور اگر حالات اس کے برعکس ہوں تو دنیا "جہنم" کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔

آج جو مادی نظام ہائے حیات رائج ہیں۔ ان کے "استحکام" کے باوجود انسانیت کو راحت و سکون حاصل نہیں ہے۔ سرمایہ داری ہو یا سوشلزم دونوں انسانیت کیلئے کوئی خدمت انجام نہ دے سکے بلکہ الٹا ان نظاموں نے انسان کو گوناگوں مسائل میں پھنسا دیا۔ بظاہر ان دونوں نظام ہائے حیات میں تضاد و تباین دکھائی دیتا ہے۔ لیکن ذرا گہری نظر سے مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کی بنیادیں ایک ہی زمین پر قائم ہیں۔ دونوں انسان کی بے قید آزادی کے دعویدار ہیں اور زندگی کے مسائل حل کرنے میں "عقل" ہی کو حرف آخر سمجھتے ہیں۔ کسی "الہامی ہدایت" پر ان کا یقین نہیں۔ ان کے ہاں اگر مذہب کوئی حقیقت ہے تو وہ بس انسان اور خدا کا پرائیویٹ معاملہ ہے۔

ان مادی نظاموں کے برعکس "اسلام" ایک عالمگیر اور ہمہ گیر اصلاح کا پروگرام پیش کرتا ہے جو گذشتہ طویل مدت سے اپنوں کی کوتاہی اور غیروں کی سازشوں کی بناء پر عملی جامہ نہ پہن سکا۔ تاہم اس نظام نے عہد نبوت اور خلفائے راشدین کے چالیس سالہ عرصے میں دنیا کے سامنے ایک "قابل تقلید" مثال پیش کر دی۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس سنہری دور میں عرب کے اُمّی اور شتربان زمانے کے امام بنے۔ اگر سند لی جاتی تھی تو ان کے قول

کی، اور اگر کہیں قوت و حشمت کا ذکر ہوتا تھا تو ان کا۔ یہ کرشمہ تھا اس عالمگیر پیغام اور نظام کا جس کے وہ "اہل عرب" داعی تھے

اپنی ہی نہیں غیروں کی تاریخ شاہد ہے کہ چشم فلک نے ایسا دور اس سے پہلے نہیں دیکھا اور نہ اس کے بعد دیکھ سکی۔ قیصر و کسریٰ کے مادی نظاموں کی بنیادیں ہل گئیں۔ ان کے جلال و جبروت کے پرزے اڑ گئے۔ اور عربوں کی اخلاقی و معاشی برتری ایک مثال بن گئی۔

اندرون ملک ہر فرد کی بنیادی ضروریات۔ خوراک، پوشاک، رہائش، علاج اور تعلیم پوری ہو رہی تھیں۔ آج کی مروجہ اصطلاح میں کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی حکومت کا ہر شہری بیمہ شدہ (INSURED) تھا۔ اس مختصر آرٹیکل میں اسی مالی نظام کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے جس نے زمانے بھر میں اپنی قسم کی واحد مثال پیش کر کے انسانیت کو امن و چین کا پیغام دیا۔

اسلامی حکومت کے مالی نظام میں مرکزی حیثیت "بیت المال" کو حاصل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لیکر خلفائے راشدین تک اس اجتماعی ادارے میں تبدیلیاں عمل میں آتی رہیں۔ عہد نبوت میں جو آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ اُسے فوراً مصارف کے مطابق خرچ کر دیا جاتا تھا۔ اس وقت آمدنی محدود ہونے کی وجہ سے بمشکل اجتماعی معاملات انجام پاتے تھے۔ اس لئے آمدنی میں سے کوئی شے نہ بچتی تھی۔ جنگی ضرورتوں کو پورا کرنے کی خاطر ہنگامی چندوں سے کام لیا جاتا تھا۔ عہد صدیقؓ میں بھی یہی صورت حال رہی۔ ان کے دور میں جھوٹے نبیوں کی وجہ سے جو فتنہ ارتداد پیدا ہو گیا تھا اُسی نے تمام توجہ جذب کر لی لہذا اجتماعی اداروں کیطرف کوئی خاص توجہ نہ دی جا سکی اور وہ اسی ڈگر پر کام کرتے رہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں چل رہے تھے۔ بیت المال کی آمدنی مصارف پر صرف کرنے کے بعد مشکل ہی بچتی تھی۔ ایک روایت ہے کہ جب خلیفۂ اوّل کا انتقال ہوا تو اس وقت ان کے پاس بیت المال کا صرف "ایک دینار" تھا۔ (السیاست الشرعیہ عبدالوہاب شرعیہ مصر۔ اردو ترجمہ ص ۲۵۱)

خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلامی ریاست کی حدود وسیع ہوئیں اور ارض مصر و شام اور عراق کے علاقے ریاست اسلامی کی حدود میں شامل ہوئے تو محاصل میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ لہذا اس مال کی حفاظت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک دیوان (دفتر) قائم کیا جس میں آمد و خرچ کا پورا ریکارڈ موجود رہتا تھا۔ اور ان لوگوں کی فہرست مرتب

کرائی جو وظائف کے مستحق تھے۔ اور ان کے وظائف کی تعیین کی گئی۔

بعض مورخین نے لکھا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے دواوین (جمع دیوان) کا نظام ایرانیوں سے اخذ کیا اور ایک ایرانی سردار کے مشورے سے "بیت المال" کا اجتماعی ادارہ قائم کیا۔ "دیوان" فارسی الاصل لفظ ہے جس کے معنی سجل (سرکاری کاغذات) یا دفتر کے ہیں لیکن اصطلاحاً دیوان سے مراد وہ جگہ لی جاتی ہے جہاں مالی امور طے پاتے ہیں۔ عہد بنی امیہ میں باقاعدہ "دیوان الخراج" کا وجود ملتا ہے۔

بیت المال کے بارے میں اسلامی تصور | بیت المال خدا اور خلق کی ایک امانت ہے جس میں سے حق کے بغیر نہ کچھ لیا جا سکتا ہے اور نہ حق کے بغیر کچھ داخل ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس میں فرمانرواؤں کی ذاتی اغراض کے لئے کچھ نہیں ہے۔ خلفائے راشدین کے طرز عمل سے اس پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق جس روز خلافت کے منصب پر فائز ہوئے، اس کے اگلے دن کندھے پر کپڑے کے تھان رکھے فروخت کے لئے نکلے کیونکہ منصب خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے ان کا یہی ذریعہ روزگار تھا۔ راستے میں حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی۔ تو انہوں نے کہا آپ کیا کر رہے ہیں۔؟ جواب دیا۔ بچوں کا پیٹ پالنے کیلئے اس کے سوا کیا چارہ کار ہے۔؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا اب آپ کے کندھوں پر مسلمانوں کی سربراہی کا بوجھ آپڑا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بزازی نہیں چل سکتی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ سے بات چیت کر کے حضرت ابوبکرؓ کے لئے وظیفہ مقرر کرا دیا جو تقریباً چار ہزار درہم سالانہ تھا۔ مگر جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ میرے ترکے میں سے آٹھ ہزار درہم بیت المال کو واپس کر دئے جائیں۔ یہ مال جب حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا تو انہوں نے کہا۔ "ابوبکرؓ پر خدا کی رحمت ہو انہوں نے بعد میں آنے والوں کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔"

حضرت عمرؓ کا بیت المال کے بارے میں طرز عمل ان کے اس قول سے واضح ہے کہ:

"میں اس مال کے بارے میں تینوں باتوں کے سوا کسی کو جائز نہیں سمجھتا۔ حق کے ساتھ وصول کیا جائے۔ حق کے مطابق دیا جائے اور باطل کی آمیزش نہ ہونے دی جائے۔ میرا تعلق اس مال سے ویسا ہی ہے، جیسا یتیم کے

والی کا اس کے مال سے ہوتا ہے۔ اگر میں محتاج نہ ہوں تو اس سے کچھ نہ لوں گا اور اگر محتاج ہوں تو معروف طریقے سے لوں گا۔ (کتاب الخراج۔ ابو یوسف ص۱۱۷)

اسلامی ریاست آغاز ہی سے وفاقی (FEDERAL) طرز کی رہی ہے۔ صوبوں میں ولادت (گورنروں) کی حکومت ہوتی تھی جنہیں خلیفہ وقت کیطرف سے نامزد کیا جاتا تھا۔ اور ان کی ترقّی و تنزل بھی خلیفۂ وقت کی مرضی پر منحصر ہوتا تھا۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ عوام کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ بلکہ ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ خلیفۂ وقت اپنی رائے کے برعکس عوام کی منشار کے مطابق گورنروں کا عزل و نصب بھی عمل میں لاتے تھے۔ حضرت عمرؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ کی جلالتِ شان کے باوجود انہیں والی (گورنر) کی حیثیت سے موزوں نہیں سمجھتے تھے تاہم انہیں عوام کے اصرار پر کوفہ کا گورنر نامزد کر دیا۔ البتہ بعد میں حضرت عمرؓ ہی کی رائے صائب نکلی اور ان کی جگہ سعد بن ابی وقاص کا تقرّر عمل میں آیا۔

اس وفاقی نوعیت کے پیشِ نظر ہر صوبے کا مالی نظام قائم بالذات تھا۔ اور مرکز کو صوبوں سے حصہ رسدی دیا جاتا تھا۔ اس حصہ رسدی کی تعیین خلیفہ وقت اور شوریٰ کے فیصلہ سے ہوتی تھی۔ اب ذیل میں بیت المال کی آمدنی کے جملہ ذرائع پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

۱۔ خراج | انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے لفظ خراج کو ارامی زبان کے لفظ CHOREGIA سے ماخوذ بتایا ہے۔ جو محصول کے معنوں میں مستعمل تھا۔ ایک دوسرے مؤلف ڈاکٹر اسے بن شمس نے اس کی اصل ارامی زبان کے لفظ HALAK کو قرار دیا ہے۔ جس کا مفہوم "محصول" آتا تھا۔ فقہائے اسلام نے بھی "خراج" کا لفظ انہی وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے۔ (بحوالہ اسلام کا نظام محاصل ص۶۰) جس کے دائرے میں فے، اموالِ غنیمت، محاصل جنگی اور جزیہ وغیرہ آجاتے ہیں۔ اپنے مخصوص معنوں میں "خراج" کی اصطلاح غیر مسلم مالکان زمین کی پیداوار کے محصول کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے معاہدات میں "خراج" کا ذکر ملتا ہے۔ اہلِ مقناہ اور نصارٰی نجران کے ساتھ معاہدات میں خراج متعیّن کیا گیا ہے۔ تاہم حضرت عمرؓ کے دور میں "خراج" ایک اہم مدِ آمدنی بنا۔

عہدِ فاروقیؓ میں حضرت سعد بنؓ ابی وقاص کی سرکردگی میں عراق فتح ہوا تو سواد (عراق

کا ایک حصہ) کی زمینوں کے بارے میں صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا ایک گروہ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ یہ زمین ان مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دی جائیں جن کے زورِ بازو سے یہ علاقہ زیر ہوا ہے۔ اس گروہ کے سربراہ حضرت بلالؓ بن رباح تھے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی یہی رائے رکھتے تھے۔

دوسرا گروہ اس کے برعکس یہ رائے رکھتا تھا کہ زمینیں مالک ذمیوں کے پاس ہی رہنی چاہئیں اور ان سے خراج وصول کیا جائے۔ اس فریق میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ شامل تھے۔

جب معاملے کی نزاکت نے طول کھینچا تو حضرت عمرؓ نے اوس اور خزرج کے پانچ پانچ سرکردہ افراد کو بلا کر مشورہ کیا اور ان کے سامنے صورتِ حال پیش کی۔ اپنی تقریر میں انہوں نے کہا:

"میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ زمینوں کو مع کاشتکاروں کے سرکاری ملکیت قرار دیدوں اور کاشت کاروں پر خراج عائد کروں اور ان پر فی کس جزیہ عائد کروں جسے وہ ادا کرتے رہیں۔ اس طرح یہ جزیہ اور خراج مسلمانوں کے لئے (ایک مستقل) فنڈ کا کام کرے گا۔ جس میں فوجی، کم سن افراد اور بعد میں آنیوالی نسلیں حصہ دار ہوں گی۔ ان سرحدوں کی حفاظت کیلئے بہرحال کچھ آدمی تعینات کرنے ہوں گے۔ جو مستقل طور پر وہاں رہیں، بڑے بڑے شہر جیسے شام، الجزیرہ، کوفہ، بصرہ، مصر۔ ان میں فوجی چھاؤنیاں قائم رکھنا اور سپاہیوں کو وظائف دیتے رہنا ناگزیر ہے۔ اب اگر یہ زمینیں اور ان پر محنت کرنیوالے کاشت کار تقسیم کر دئے جائیں گے تو ان لوگوں کو کہاں سے دیا جائے گا۔" (کتاب الخراج۔ فصل ۱۴۔ امام ابو یوسفؒ)

حضرت عمرؓ کی اس وضاحت پر اوس و خزرج کے نمائندوں نے ان کا موقف مان لیا اور ذمیوں کی زمینوں پر خراج عائد کر دیا گیا۔

جہاں تک شرح خراج کا تعلق ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو مقابلہ کرنے کی بجائے صلح کر لیتے ہیں۔ ان سے معاملہ شرائط صلح کے مطابق ہی ہوتا ہے تاہم ان پر خلیفۂ وقت خراج عائد کر سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے نصف پیداوار پر صلح کی تھی۔

(کتاب الخراج۔ فصل ۱۴ امام ابو یوسفؒ)

اور حضرت عمرؓ نے گیہوں کی زمین سے چودہ درہم فی ایکڑ کے حساب سے خراج وصول کیا۔ حضرت عمرؓ نے سواد کی زمینوں کی پیمائش کرائی تو رقبہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلا۔ حضرت عثمان بن حنیف درج ذیل شرح سے خراج عائد کیا۔

انگور کے باغات	۱۰	درہم	فی جریب
کھجور کے باغات	۸	"	"
بانس اور نرکل	۶	"	"
گیہوں	۴	"	"
جَو	۲	"	"

دوسری روایت یہ ہے کہ مساحت سواد کے بعد حضرت عمرؓ نے فی جریب زمین پر ایک درہم نقد اور ایک قفیز غلہ عائد کیا۔ غلہ فوجوں کی خوراک کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اس میں فصلوں کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ ماوردی نے اس کی توثیق کی ہے۔ (الاحکام السلطانیہ)

دونوں روایات کی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ نے مروجہ شرح خراج کے مطابق ایک درہم فی جریب اور ایک قفیز مالیہ عائد کر دیا۔ بعد میں مغیرہؓ بن شعبہ نے ۲۲ھ میں لکھا کہ یہاں لوگ گندم اور جو کے علاوہ بھی فصلیں کاشت کرتے ہیں۔

(فتوح البلدان - البلاذری ص ۱۸۲)

ڈینیل۔ سی۔ ڈینٹ (DANIEL-C-DANNETT) لکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے ضابطے کی بدولت کسانوں میں یہ رجحان پیدا ہو گیا تھا۔ انہوں نے غلے کے بجائے زمینوں میں قیمتی اشیاء کی کاشت شروع کر دی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے نئی شرحیں نافذ کر دیں جن کا ذکر عثمان حنیف کے حوالے سے امام ابو یوسفؒ نے کیا ہے۔ (جزیہ اور اسلام ص ۵)

۲۔ جزیہ | جزیہ سے مراد وہ رقم ہے جو غیر مسلم رعایا جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ جیسے بنیادی حقوق سے استفادہ کرنے کے صلے میں اسلامی ریاست کو ادا کرتے ہیں۔ جزیہ کا لفظ "جزا" سے مشتق ہے اور لفظی مطلب "بدلہ" بنتا ہے۔

جزیہ کے لئے ایک دوسری اصطلاح "جالیہ" بھی مستعمل ہے۔ جسکی جمع جوالی آتی ہے۔ جالیہ کا لغوی مفہوم "گروہ" ہے۔ جن اہل عرب کو حضرت عمرؓ نے جزیرۃ العرب سے جلاوطن کیا تھا۔ ان کو "جالیہ" کہا جانے لگا۔ پھر یہ لفظ اس رقم کے لئے مخصوص ہو گیا۔

جو ان سے حاصل کی جاتی تھی رفتہ رفتہ ہر قسم کے جزیے کو یہی نام دے دیا گیا، چاہے جزیہ ادا کرنے والا کبھی بھی جلاوطن نہ ہوا ہو۔ (اسلام کا نظام محاصل ص۱۰۲)

غیر مسلم رعایا اسلامی حکومت میں جملہ بنیادی حقوق سے استفادہ کرتے ہیں لیکن ملک کے دفاع و تحفظ کی ذمہ داری سے مستثنیٰ ہیں۔ مسلمان رعایا زکوٰۃ اور صدقات ادا کرتی ہے جن کا ایک حصہ قومی اثاثوں پر خرچ ہوتا ہے اور اسی سے جنگی سامان خریدا جاتا ہے۔ لیکن غیر مسلم رعایا سے یہ اسلامی صدقات وصول نہیں ہوتے اس لئے وہ اپنا حصہ رسدی "جزیہ" کی شکل میں ادا کرتے ہیں۔

متعصب مستشرقین نے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ جزیہ غیر مسلموں سے اس لئے وصول کیا جاتا ہے تاکہ انہیں ذلیل و رسوا کیا جائے۔ پروفیسر آرنلڈ نے PREACHING OF ISLAM میں اس بے بنیاد اور لچر ازم کی حقیقت کھول دی ہے۔

حضرت ابو عبیدہؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ انہوں نے اہل شام کو جزیہ کی رقم اس لئے واپس کر دی تھی کہ مسلمان رومیوں سے ان کی حفاظت کرنے کے قابل نہیں تھے۔

قرآن عزیز میں "جزیہ" سے متعلق :

"جنگ کرو اہل کتاب میں سے ان لوگوں سے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہ لائے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے۔ اُسے حرام نہیں تو یہ کرتے دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ حتیٰ کہ وہ جزیہ دیں اور کمزور بن کر رہیں"

عثمان بن حنیف نے مندرجہ ذیل شرح سے اہل الذمہ سے جزیہ وصول کیا۔ امیر طبقے سے اڑتالیس درہم، متوسط طبقے سے چوبیس درہم اور غریبوں سے صرف بارہ درہم فی کس انہوں نے بچوں اور عورتوں کو جزیہ سے مستثنیٰ قرار دیدیا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو بھی جزیہ سے مستثنیٰ قرار دیدیا جو جزیہ ادا کرنے کے ناقابل تھے۔

جزیہ رقم کی بجائے مویشی، تجارت کے مال، گھر کے اسباب وغیرہ میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ البتہ سؤر، شراب اور مردہ جانور نہیں دیا جا سکتا۔

۳۔ زکوٰۃ | جزیہ اور خراج غیر مسلم رعایا سے وصول کیا جاتا ہے اور مسلم رعایا زکوٰۃ اور عشر ادا کرتی ہے۔ زکوٰۃ اسلام کے معاشی نظام میں مرکزی اہمیت کی حامل ہے۔ قرآن مجید میں بیسیوں جگہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کا ذکر متصل آیا ہے، زکوٰۃ کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِہِمْ صَدَقَۃً (التوبہ : ۱۰۳)۔ (اے نبی) آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لے لیں۔

متذکرۃ الصدر آیت میں نبی اکرم کو مومنین کے اموال سے صدقہ لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلام کے اخلاقی اصولوں میں جہاں صلہ رحمی اور باہمی تعاون کی دوسری اقسام پر زور دیا گیا ہے۔ وہیں "صدقات" کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ صدقات سے مراد وہ اموال ہیں جو مومنین اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے وقتاً فوقتاً دیتے رہتے ہیں۔ اس انفاق سبیل اللہ کے علاوہ ریاست کیطرف سے ایک صدقہ بتاکید وصول کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا آیت متذکرہ میں صدقہ سے مراد "زکوٰۃ" ہے۔

اسلامی ریاست کا مقصد وجود بیان کرتے ہوئے ایتائے زکوٰۃ کو ایک اہم فریضہ کہا گیا ہے۔ الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔ یہ (اہل ایمان) لوگ ہیں جنہیں ہم نے زمین میں اقتدار دیا تو یہ نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے۔ نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔ (الحج : ۴۱)

وعد اللہ الذین امنو منکم وعملو الصالحات لیستخلفنھم فی الارض ——— واقیمو الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون۔ (النور : ۵۵-۶۵) ان لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ انہیں زمین میں ضرور خلافت دے گا ——— اور نماز قائم کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اسلامی ریاست کے مقصدِ وجود کو بیان کرنے والی آیات میں واضح طور پر تاکید کی ہے کہ زکوٰۃ اسلامی حکومت کے مالیاتی نظام کا ایک جزو ہے۔

قرآن نے صرف اصول دئے ہیں اور ان اصولوں کو نبی اکرمؐ نے عملی جامہ پہنایا ہے اس لئے قرآن میں زکوٰۃ کی شرح متعین نہیں کی گئی۔ نبی اکرمؐ کی زندگی میں جب زکوٰۃ کا نظام قائم ہوا تو جملہ اشیاء کے لئے نصابِ زکوٰۃ متعین کر دیا گیا۔ زکوٰۃ کی جملہ تفاصیل صرف بیان کر دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ حیطۂ تحریر میں لائی گئی۔ آنحضرتؐ نے محصلین زکوٰۃ مقرر کئے۔ انہیں ہدایات جاری کیں۔ مختلف اشیاء کے لئے زکوٰۃ کی مندرجہ ذیل شرح مقرر ہوئی۔

۱۔ سونے، چاندی اور زرِ نقد کی صورت میں جو دولت جمع ہو اس پر ڈھائی فیصد

سالانہ کے حساب سے زکوٰۃ وصول کی گئی۔ سونے اور چاندی کا نصاب مختلف ہے۔ ساڑھے باون تولے چاندی اور سات تولے سونے کی مقدار پر زکوٰۃ وصول کی گئی۔ اس سے کم مقدار پر زکوٰۃ نہیں لی گئی۔

۲۔ سونے، چاندی اور نقدی کے علاوہ تجارتی اموال اور مویشیوں پر زکوٰۃ وصول کی گئی۔ بخاری کی کتاب الزکوٰۃ میں جانوروں کا نصاب اور شرح زکوٰۃ بیان کر دی گئی ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے عامل بحرین حضرت انسؓ کو خط لکھا اور زکوٰۃ کا نصاب بتایا۔

ا۔ اونٹوں کے لئے زکوٰۃ کا نصاب پانچ اونٹ ہیں۔

ب۔ گائے اور بھینس کے لئے نصاب تیس کی تعداد ہے۔

ج۔ بھیڑ اور بکریوں کا نصاب چالیس کی تعداد۔

د۔ معدنیات اور زمینوں کے لئے بھی زکوٰۃ واجب ہے جبکہ یہ نجی اور انفرادی ملکیت میں ہوں۔ شرح زکوٰۃ بیس فیصد طے کی گئی۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت میں قبائل طے، اسد، غطفان، اشجع اور بنو سلیم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ ان کی رائے تھی کہ نبی اکرم کی زندگی میں تو زکوٰۃ فرض تھی لیکن ان کی وفات کے بعد ضروری نہیں۔ لیکن حضرت صدیق اکبرؓ جیسے مرنجان مرنج اور رحیم شخص نے تلوار سونت لی اور منکرین زکوٰۃ سے آمادۂ جہاد ہو گئے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ نے حالات کی نزاکت کے پیش نظر سخت اقدام کی مخالفت کی تھی۔ لیکن حضرت صدیق اکبرؓ کیا مجاہدانہ اقدام کیا اور کہا:

"جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتا ہے۔ میں اس سے جہاد کروں گا۔"

چنانچہ انہوں نے اس فتنے کا قوت سے قلع قمع کیا۔

متجددین کی طرف سے آواز اٹھائی جاتی ہے کہ زکوٰۃ ایک ریاستی ٹیکس ہے اور اس میں کمی بیشی کا اختیار عوام کو حاصل ہے۔ لیکن زکوٰۃ محض ٹیکس ہی نہیں بلکہ عبادت ہے۔ نیز جدید دور کے ٹیکس سے بوجوہ مختلف ہے۔

اوّلاً موجودہ دور کے ٹیکس صرف آمدنی پر لگائے جاتے ہیں۔ زکوٰۃ مجموعی سرمائے پر محیط ہے۔ ثانیاً زکوٰۃ کے مصارف نص قرآن سے متعین کر دیئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ خرچ نہیں کی جا سکتی۔

۴۔ عشر | عشر سے مراد غلّہ کی وہ مقررہ مقدار ہے جو ایک مسلمان کی زرعی پیداوار سے حاصل کیا جاتا ہے۔ زمین کی نوعیت کے لحاظ سے عشر کی مقدار کم و بیش ہے۔ اگر زمین بارانی ہو یعنی پیداوار کا دارو مدار صرف بارش پر ہو تو زمین کی پیداوار کا صرف دسواں حصّہ (عشر) وصول کیا جاتا ہے اور اگر زمین چاہی ہو یعنی مصنوعی ذرائع آبپاشی سے فصل اگتی ہو تو پیداوار کا بیسواں حصّہ بیت المال میں جمع ہوتا ہے۔

اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ چاہی زمین پر انسانی محنت زیادہ ہوتی ہے جبکہ بارانی زمین پر انسانی محنت کم اور قدرتی حالات پر زیادہ انحصار کیا جاتا ہے۔

عشر کا حکم قرآنی نص سے ثابت ہے۔ "واتوا حقہ یوم حصادہ" تم زمین کا حق اس (پیداوار) کے کٹ جانے کے وقت ادا کرو۔

امام ابو یوسفؒ کی رائے کے مطابق ان اشیاء پر عشر عائد ہوتا ہے جو ذخیرہ کر کے رکھی جا سکتی ہیں۔ مثلاً گیہوں، چنا، چاول وغیرہ اور ایسی اشیاء جو جلد ضائع پذیر ہوں مثلاً سبزیاں اور خوشبودار پودے وغیرہ، ان اشیاء پر عشر نہیں ہے۔

عشر کا نصاب امام ابو یوسفؒ نے پانچ وسق قرار دیا ہے۔ اگر ایک زمین ڈھائی وسق گیہوں اور ڈھائی وسق گندم دے تو اس پر بھی عشر واجب ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس امام ابو حنیفہؒ کے ہاں عشر و خراج ہر زمین سے لیا جاتا ہے۔ اس کے لئے کسی خاص مقدارِ پیداوار کا تعین نہیں کیا جاتا۔

۵۔ صدقات | زکوٰۃ کے علاوہ اسلام کے اخلاقی نظام میں انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح صدقات کی ترغیب دی گئی ہے۔ یا ایھا الذین امنوا انفقوا مما رزقنٰکم ۲۵۵/۲ ترجمہ: مسلمانو! ہمارے دیئے ہوئے مالوں سے خرچ کرو — وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ ۱۹۱/۲ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

صدقات مرکزی طور پر بیت المال میں جمع کئے جا سکتے ہیں اور بر وقت غرباء و مستحقین کی مدد کی جاتی ہے۔

۶۔ فے یا زرِ صلح | بعض اوقات کفار مسلمانوں کی عسکری تیاری اور جاہ و جلال سے مبہوت ہو کر جنگ کئے بغیر ہی میدانِ جنگ سے بھاگ جاتے ہیں۔ میدانِ جنگ میں

ان کا چھوڑا ہوا مال "فے" کہلاتا ہے۔ اسی طرح اگر کفار لڑنے کی بجائے زرِ صلح دے کر مفاہمت کے خواستگار ہوں اور مسلمان اس رقم کے عوض صلح کر لیں تو یہ رقم بھی "فے" کے زمرے میں شامل ہوتی ہے۔

چونکہ "فے" کسی جہاد و قتال کے بغیر حاصل ہوتا ہے لہذا اسے بیت المال کا حق بتایا گیا ہے۔ اور مجاہدین و غانمین میں تقسیم نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں ہے:

"جو فے کا مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عطا کیا ہے اور تم نے اس کے لئے اپنے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے۔ مگر اللہ جس پر چاہتا ہے اپنے رسولوں کو غالب کر دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے سو ایسا مال جو اللہ اپنے رسول کو بطور فے عطا کرتا ہے، وہ اللہ اس کے رسول، اس کے اہل قرابت، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کا حق ہے۔ تاکہ وہ تمہارے مالداروں کے ہی درمیان گردش نہ کرتا رہے۔" (الحشر ۶-۷)

متذکرۃ الصدر آیات میں فے کے مصارف بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اس مال کو مکمل طور پر بیت المال میں جمع کر دیا جاتا ہے اور ضرورت پر مستحقین میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اسی قانونِ الٰہی کے پیشِ نظر "فے" کے اموال مجاہدین میں تقسیم نہیں کئے گئے۔ حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل اسی کے مطابق تھا۔

۷۔ اموالِ غنیمت کا خمس | اسلام کا پیش کردہ تصورِ جہاد جدید دور کی جاہلانہ جنگوں سے مختلف ہے۔ مادی نظام ہائے حیات میں جنگ کے دوران بزورِ بازو حاصل ہونے والے اموال کو فاتح کا حق خیال کیا جاتا ہے اور مغربی قانون میں اسے SPOILS OF WAR کا نام دیا جاتا ہے۔

بعثتِ اسلام سے پہلے عربوں میں جو جنگ کا نظریہ رائج تھا۔ اس کا اندازہ لفظ "حرب" سے ہوتا ہے۔ "حرب" کے تصور میں لوٹ کھسوٹ اور غارتگری کا مفہوم بھی شامل ہے۔ عہدِ جاہلیت کا اصول تھا کہ جنگ کے دوران میں جو کچھ کسی نے لوٹ لیا وہ اسی کا حق ہے۔ اس لالچ اور خود غرضی کے پیشِ نظر لوگ بڑھ چڑھ کر جنگوں میں حصہ لیتے اور اموالِ غنیمت حاصل کرتے امتِ مسلمہ کو ۲ھ میں پہلی جنگ کا سامنا کرنا پڑا اور بدر کی اس پہلی ٹکر میں مسلمان کامیاب و کامران ہوئے۔ کامیابی کے بعد اموالِ غنیمت کے مسئلے پر اختلاف

رائے پیدا ہوگیا۔ ایک گروہ جس نے اموالِ غنیمت سمیٹے تھے۔ عہدِ جاہلیت کے دستور کے مطابق اس رائے کا حامل تھا۔ کہ غنیمت ہمارا ہی حق ہے۔ لیکن دوسرا گروہ جس نے اموالِ غنیمت کی بجائے کفار کا تعاقب کیا تھا۔ اس بات کا مدعی تھا کہ اگر ہم کفار کا تعاقب نہ کرتے تو فتح شکست میں بدل جاتی، لہذا اموالِ غنیمت میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ ایک تیسرے فریق نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہا تھا اپنے دعاوی پیش کئے کہ درحقیقت جانثاری تو ہم دکھائی اور آقائے دوجہاں کے گرد حصار بن کر ڈٹے رہے۔ اگر ہم بھی لوٹ مار میں شریک ہوتے تو غنیمت کا مال سمیٹ لیتے۔

بات اختلاف رائے سے بڑھ کر باہمی تلخی تک جا پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی۔ "واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل ان کنتم آمنتم باللہ وما انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان واللہ علی کل شیء قدیر۔ (الانفال ۔ ۴۱) ترجمہ: جان لیجئے جو کچھ تم نے مالِ غنیمت حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس چیز پر جو فیصلے کے دن یعنی دونوں فوجوں کے مقابلے کے دن ہم نے اپنے بندے پر نازل کی تھی۔"

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی رہنمائی اس طرح کی کہ نہ تو عہدِ جاہلیت کا قانون درست ہے اور نہ اپنی طرف سے کوئی رائے ہی قائم کرنے کی حاجت ہے۔ پانچواں حصہ اللہ، اس کے رسول، رسول کے رشتہ داروں، یتامیٰ، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ یہ حصہ بیت المال میں شامل ہوگا۔ اور باقی چار حصے اموالِ غنیمت اس پوری فوج میں تقسیم ہوں گے جو لڑائی میں شریک ہوئی ہے۔

اموالِ غنیمت کی تقسیم کا یہ سلسلہ جاری رہا کہ جو مال بھی کفار میدانِ جنگ میں چھوڑ کر بھاگ جاتے اسے خلیفہ وقت کے حضور پیش کیا جاتا اور حکمِ ربانی کے مطابق تقسیم عمل میں آتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھ جانے کے بعد ان کا حصہ خاندانِ نبوت کے فقراء میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

مالِ غنیمت کے چار حصے جو فوج میں تقسیم ہوتے رہے، اس کا طریقہ کار فقہاء نے یہ طے کیا ہے کہ ہر گھوڑ سوار کو تین حصے ملے اور پیادہ کو صرف ایک حصہ۔ گھوڑ سوار

کے تین حصوں میں دو حصے گھوڑے کے شامل ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدری صحابہؓ میں غنائم اسی طرح تقسیم کئے۔

فقیہ اعظم امام ابوحنیفہؒ فرماتے تھے۔ "آدمی کے لئے ایک حصہ اور گھوڑے کے لئے ایک حصہ"۔ ان کے نقطۂ نظر کے مطابق جانور کو مسلمان مرد سے افضل نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ:

"حضرت عمرؓ بن خطاب کے ایک عامل نے شام کے علاقے میں سوار کو ایک حصہ اور پیادہ کو ایک حصہ دیا۔ یہ بات حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوئی تو آپ نے اسے جائز قرار دیا۔"

تاہم حضرت امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے برعکس احادیث و آثار زیادہ ثقہ ہیں

۸۔ خمس معادن | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے: وفی الرکاز الخمس (بخاری کتاب الزکوٰۃ) یعنی رکاز میں خمس ہے۔ رکاز کے لغوی معنی "دفینہ" ہے۔ امام ابویوسفؒ نے ایک روایت میں آنحضرتؐ سے تفسیر ان الفاظ میں نقل کی ہے:

فقیل لہ ما الرکاز یا رسول اللہ؟	(نبی اکرم سے) دریافت کیا گیا کہ
فقال الذھب والفضۃ الذی	یارسول اللہ رکاز سے کیا مراد ہے
خلق اللہ فی الارض یوم خلقت	آپ نے فرمایا وہ سونا اور چاندی
(کتاب الخراج ص۲۳)	جو اللہ تعالیٰ نے خلقی طور پر زمین

کے اندر ودیعت کر دیا ہے۔

اسی طرح دیگر معدنیات سے بھی خمس لیا جاتا ہے، لیکن یہ خمس اس وقت وصول ہوتا ہے جب وہات خام حالت سے اخذ کی جاتی ہے۔

۹۔ وقف | جو اشیاء منقولہ و غیر منقولہ ذاتی ملکیت سے نکال کر رفاہ عامہ کے کاموں کے لئے مختص کر دی جائیں۔ انہیں اصطلاحاً "وقف" کہا جاتا ہے۔ اوقاف کی آمدنی بھی بیت المال کا حصہ تصور کی جاتی ہے۔

اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ فاروق نے غیر منقولہ جائداد وقف کی۔ جب آیت: من ذی الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً۔ نازل ہوئی تو حضرت طلحہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ یارسول اللہ میرا باغ جو مجھے بہت عزیز

ہے۔ اللہ کی راہ میں دیتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا : اجعلہ فی فقراء قومک : تم اس کو اپنی قوم کے محتاجوں کے لئے وقف کر دو۔

۱۰۔ اموالِ فاضلہ | لاوارث شہریوں کا مال بیت المال کا جزو بن جاتا ہے اور اگر کوئی مسلم مرتد ہو کر دارالحرب قرار ہو جائے تو اس کا مال بھی ضبط ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ عشور (محصولات) | ایران و روم کی سلطنتوں کا یہ دستور تھا جب کوئی مسلمان تاجران کے ملکوں میں تجارت کی غرض سے مال لے جاتا تھا تو وہ محصول لیا کرتے تھے۔ مگر جب ایرانی غیر مسلم خلافتِ اسلامیہ میں تجارتی مال لاتے تو ان سے کوئی ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ اسطرح مسلمان تاجر خسارے میں رہتے تھے

حضرت عمرؓ نے اس کا حل نہ نکالا۔ عمّال کو اطلاع دی کہ تم اموالِ تجارت پر اسی طرح ٹیکس وصول کرو اور اسے بیت المال میں جمع رکھو۔

بیت المال کے مصارف

فقہاء نے بیت المال کو چار شعبوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے شعبے میں مالِ غنیمت، کنز اور رکاز کے خمس اور صدقات شامل ہیں۔ دوسرے شعبے کی مدات آمدنی، زکوٰۃ، عشر اور مسلمان تاجروں سے وصول کردہ ٹیکس ہے۔ تیسرے شعبے میں وہ اموال داخل کئے جاتے ہیں۔ جو غیر مسلم رعایا سے وصول ہوتے ہیں، یعنی خراج، جزیہ اور غیر مسلم تاجروں سے وصول کردہ ٹیکس چوتھے شعبے میں متفرق اموال جمع ہوتے ہیں۔ مثلاً ہنگامی چندہ، اموالِ فاضلہ وغیرہ شعبۂ اوّل کے مصارف "خمس" کے طور پر تقسیم ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم اور سنتِ نبوی نے یہ مصارف متعیّن کر دیئے۔ خمس کے مستحق رسول، اس کے رشتہ دار، یتامیٰ، مساکین اور مسافر ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ریاست کی سربراہی کا کوئی الاؤنس وغیرہ نہیں ملتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فتوحات کے خمس میں سے ایک حصّہ تجویز کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ خانوادۂ نبوت کی کفالت کی ذمہ داری نہایت ضروری ہے۔ اور اس وقت اسلامی ریاست کا نظامِ مالیات ابتدائی درجے کا تھا۔ چنانچہ فتوحات پر تو کچھ مل جاتا تھا لیکن پھر اللہ تعالیٰ کے در پر ہی نگاہ رہتی تھی۔

وظائف | خلافتِ راشدہ میں جب بیت المال کی آمدنی میں معتدبہ اضافہ ہوا تو

خانوادۂ رسول کے لئے وظائف مقرر کر دئے گئے۔

ازواج مطہرات کیلئے بارہ ہزار درہم فی کس سالانہ مقرر کئے گئے تھے۔ آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباسؓ کو بھی بارہ ہزار درہم سالانہ کا وظیفہ ملتا تھا۔ اسامہؓ بن زیدؓ کا حصہ چار ہزار رہا اور حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کے لئے تین ہزار مقرر کیا۔ حسنین کو پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔

مہاجرین و انصار کے لڑکوں کے لئے دو ہزار فی کس سالانہ تجویز کیا گیا۔ مکہ والوں اور عام لوگوں کا حصہ فی کس آٹھ سو درہم سالانہ مقرر ہوا۔

بچوں کے لئے ولادت کے ساتھ ہی سو درہم وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ بچے کے بڑھنے کے ساتھ وظیفہ دو سو کر دیا جاتا اور بالغ ہونے پر وظیفہ پورا ملنے لگتا۔

بیت المال کے دوسرے شعبے کے "مصارف ثمانیہ" مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہیں، انما الصدقات للفقرا والمساکین والعاملین علیہا لمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ۔ یعنی صدقات (زکوٰۃ) صرف غرباء، مسکینوں، وصول کرنے والوں کارکنوں اور مؤلفۃ القلوب کے لئے ہے۔ اور غلاموں کو آزاد کرانے کیلئے، قرضداروں کے قرض ادا کرنے میں۔ اللہ کے راستے میں اور مسافروں کے لئے ہے۔ یہ اللہ کیطرف سے مقرر ہے۔ (توبہ)

تیسرے شعبے کے مصارف وظائف حکومت کی انجام دہی میں خرچ ہوتے ہیں۔ اور چوتھے شعبے کے مصارف رفاہ عامہ (PUBLIC WORKS) کے کاموں پر خرچ ہوتے ہیں۔

زکوٰۃ و عشر کے علاوہ باقی محاصل میں مسلم و غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ حضرت عمرؓ نے فقراء و مساکین میں غیر مسلموں کو بھی شامل کیا ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے قانون فقہ میں اس قول کو سند قرار دیا ہے۔ جزوی تفصیلات خلیفۂ وقت اور مجلس شوریٰ حالات کے تقاضوں کے پیش نظر طے کرتی ہے۔

ماہنامہ الحق میں اشتہار دیکر ثواب دارین حاصل کریں